جماعت سے نماز ادا کرنے کا اہتمام سخت معذوری کی حالت میں بھی کرتے تھے، اخلاق و عادات کے اعتبار سے بڑے متواضع، خوش مزاج، باوضع اور قلندر منش انسان تھے۔ ضرورتمندوں کی مدد کرنے میں انہیں خوشی محسوس ہوتی تھی۔ برسوں سے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے اس کے جلسوں میں پابندی سے شریک ہوتے اور کارروائی میں توجہ سے حصہ لیتے تھے، پندرہ سولہ برس سے حیدرآباد کی سکونت ترک کر کے مستقلاً علی گڑھ میں مقیم ہو گئے تھے جہاں ان کی دو صاحبزادیاں یونیورسٹی زنانہ کالج کے شعبۂ دینیات میں علی الترتیب ریڈر اور لیکچرر ہیں اور اپنے خاندانی روایات کو بوجوہ احسن قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔ یہاں ان کی زندگی مکمل گوشہ نشینی کی تھی۔ مطالعہ اور درس ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز سے کوئی سروکار نہ تھا۔ برہان کے بڑے قدردان تھے، شروع سے اس کے خریدار تھے اور بڑے شوق سے اس کا مطالعہ پابندی سے کرتے تھے، ان کی وفات علم و ادب، زہد و ورع اور حسن عمل و اخلاق کی دنیا کا عظیم حادثہ ہے۔ رحمه الله رحمة واسعة

---

۱۰ اور ۱۱ مئی کی درمیانی شب میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جو واقعات پیش آئے اس میں شک نہیں وہ بیحد افسوسناک اور لائق مذمت ہیں، لیکن اس کو محض ایک اتفاقی واقعہ ہی سمجھنا چاہیئے جو کبھی دو حقیقی بھائیوں میں بھی کسی ایک بات پر اشتعال کے باعث پیش آجاتا ہے اور اس کی مستقل کوئی حیثیت نہیں ہوتی، ورنہ دنیا جانتی ہے کہ آزادی کے بعد سے اب تک ملک میں ہزاروں فرقہ وارانہ فسادات ہو چکے ہیں جن میں مسلمانوں کے نہایت شدید اور عظیم جانی و مالی نقصانات ہوئے ہیں، لیکن مسلم یونیورسٹی کی ہندو مسلم یکجہتی و یگانگت کی خوشگوار فضا کبھی ان فسادات سے متاثر نہیں ہوئی تھی۔ چند ماہ قبل علی گڑھ شہر میں سخت فساد ہو چکا ہے اس زمانہ میں یونیورسٹی اس فساد کے اثر سے کس طرح محفوظ رہی اور نہایت جانفشانی اور تندہی سے بلا امتیاز مذہب و ملت شہر میں

جو ریلیف ملک بھر میں جیسے بڑے بڑے لیڈروں اور انگریزی اخبارات نے اس کا اعتراف کیا اور واردات سے اصل گڑھ کے بعد جمشید پور میں نہایت سخت اور بھیانک فساد ہوا، مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبا جمشید پور پہونچ کر ریلیف کا کام کرتے رہے، لیکن یونیورسٹی کی فضا کو اس سے متاثر نہیں ہونے دیا۔ یہ وہ حقائق اور واقعات ہیں جن کی تکذیب یا تغلیط مسلمانوں کا بڑے سے بڑا دشمن بھی نہیں کر سکتا۔

لیکن فرقہ پرستوں نے ان حقائق کا اعتراف اس طرح کیا کہ ۹ رمئی کی صبح کو ایک سازش کے ماتحت منظم طریقہ پر واردی اسٹیشن کے قریب یونیورسٹی کے طلباء پر بے محابا حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں ایک خاصی تعداد زخمی ہو گئی، اس واقعہ سے طلبا کا مشتعل ہونا ایک امر طبعی تھا، لیکن یونین کے پریزیڈنٹ کی طرف سے فوراً ایک اپیل شائع ہوئی جس میں طلبا سے پُرامن رہنے کی پُرزور اپیل کی گئی تھی، اس اپیل کا اثر یہ ہوا کہ اس تاریخ کا پورا دن گذر گیا اور کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔ لیکن جب شام کو بغیر کسی وجہ جواز کے پولیس سی یونیورسٹی کے علاقہ میں اچانک آ رجمان ہوئی تو طلبا نے اس کو بجا طور پر اپنی توہین سمجھا اور مطالبہ کیا کہ پولیس اس علاقہ سے ہٹ جائے۔ ایک مقررہ وقت تک ہٹ جانے کا وعدہ کرنے کے باوجود جب پولیس نے یونیورسٹی کیمپس نہیں چھوڑا تو طلبا زخم خوردہ تو تھے اور جوانی کا گرم خون ان کی رگوں میں سرد نہیں ہوا تھا اب ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور وہ پولیس سے مقابلہ کرنے کے لئے باہر نکل پڑے اس لئے دراصل طلبا کا مقابلہ پولیس سے تھا، مگر جب ہنگامۂ دار و گیر برپا ہوتا ہے تو اچھے بُرے کی تمیز نہیں ہوتی اور گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں۔ چنانچہ سخت افسوس ہے کہ اس لپیٹ میں وہ لوگ بھی آ گئے جو اس علاقہ کے پُرامن شہری اور یونیورسٹی برادری کے ہی افراد تھے۔

بس یہ ہے نفس واقعہ! ضرورت ہے کہ واقعہ کی نوعیت جو ہنگامی ہونے کی ہے اُس کو اسی حیثیت سے دیکھا جائے، ورنہ اگر اس واقعہ کو بنیاد بنا کر یونیورسٹی میں فرقہ وارانہ تحفظات کا سوال اٹھایا گیا، جیسا کہ فرقہ پرست ہندو کر رہے ہیں تو پھر مسلمان بھی آئے دن کے فسادات کی بنیاد پر پورے ملک میں اپنے تحفظات کا سوال اٹھانے میں حق بجانب ہوں گے۔